باب پنجم

عصرِ حاضر اور اسلامی ریاستیں

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- عالم اسلام کے بارے میں گہری معلومات اور بصیرت حاصل کر سکیں۔
- قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ان کی نظر میں ہوں اور انہیں سامنے رکھ کر طلبہ امت مسلمہ کی بالعموم اور پاکستان کی بالخصوص تشکیل نو کے قابل ہو سکیں نیز اس حاصل شدہ بصیرت کے ذریعے وہ مسلمانوں کی مشکلات کا حل سوچ سکیں۔

CAMPUS

الف۔ موجودہ مسلمان ریاستیں، تشکیلی محرکات، کوائف، مسائل اور اسلامی تعلیمات

دنیا کی کل آبادی کا پانچوں حصہ اسلام کا پیروکار ہے۔ یوں تو مسلمان دنیا کے ہر حصے میں آباد ہیں لیکن براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ میں ان کی کثیر تعداد موجود ہے۔ موجودہ دنیا میں آزاد و خودمختار مسلم ریاستوں کے بارے میں جاننے کے لیے ہم مسلم ممالک کو تین گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ ایشیائی مسلم ممالک

۲۔ افریقی مسلم ممالک

۳۔ یورپی مسلم ممالک

ایشائی مسلم ممالک:

براعظم ایشیا میں عقیدۂ توحید کے پرستاروں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ اس براعظم کے مختلف حصوں میں مسلم ریاستیں واقع ہیں۔

وسط ایشیائی مسلم ممالک میں قازقستان، کرغزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان شامل ہیں۔

جنوب مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک میں انڈونیشیا، ملائشیا، برونائی دارالسلام۔

جنوبی ایشیا میں پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور مالدیپ کے مسلم ممالک واقع ہیں۔

مغربی ایشیا کے مسلم ممالک میں آرمینیا، آذربائیجان، بحرین، عراق، ایران، اردن، کویت، لبنان، شام، عمان، قطر، متحدہ عرب امارات، یمن اور سعودی عرب شامل ہیں۔

افریقی مسلم ممالک:

مشرقی افریقہ میں جبوتی، اریٹیریا، ایتھوپیا، موریطانیہ، موزنبیق اور صومالیہ کے مسلم ممالک واقع ہیں۔

گھانا، گنی بساؤ، مالی، نائیجیر، نائیجیریا، سینیگال، سیرالیون اور گیمبیا کی مسلم ریاستیں مغربی افریقہ میں ہیں۔

شمالی افریقہ کے مسلم ممالک میں مصر، الجزائر، لیبیا، مراکش، سوڈان اور تیونس شامل ہیں۔

وسط افریقہ میں چاڈ کی مسلم ریاست موجود ہے۔

...پی مسلم ممالک

یورپ کے مسلم ممالک میں البانیہ، بوسنیا، ہرزیگوینیا، کوسوو، قبرص، یوکرائن اور ترکی اہم ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشوں میں یوں تو اسلامی ریاستیں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں مگران میں سے بعض ممالک بین الاقوامی برادری میں اہم شناخت اور کردار کے حامل ہیں۔ یہ ممالک اپنے وسائل اور جغرافیائی محلِ وقوع کی بنا پر عالمی سیاست پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ترکی:

جمہوریہ ترکی براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں واقع ہے۔ ترکی کا کل رقبہ 780,580 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا ...الحکومت انقرہ ہے۔ ملک میں زیادہ تر ترکی زبان بولی جاتی ہے۔

جنگ عظیم اوّل میں جرمنی کی حمایت میں ترکی نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔ مصطفیٰ کمال جنگ کے ہیرو کی حیثیت ...ے سامنے آئے۔ مصطفیٰ کمال نے ملک کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔ یونانیوں، ...یوں اور فرانسیسیوں نے ہر طرف سے ملک پر حملہ کر دیا۔

مصطفیٰ کمال نے طویل عرصہ تک ان دشمنوں کا مقابلہ کیا اور آخر کار 9 ستمبر 1922ء کو دشمنوں کو فیصلہ کن شکست ...۔ مصطفیٰ کمال کو قوم نے ''اتا ترک'' یعنی ''ترکوں کا باپ'' کے خطاب سے نوازا۔ اتا ترک نے 600 سالہ خلافت عثمانیہ کو ...کر کے 1923 میں ترک جمہوریہ کی بنیاد رکھی۔

CAMPUS

مصر:

براعظم افریقہ کے شمالی حصہ میں واقع اسلامی ریاست جس کے شمال میں بحیرۂ قلزم، مشرق میں بحیرۂ احمر، جنوب میں سوڈان اور مغرب میں لیبیا واقع ہیں۔ مصر کا دارالحکومت قاہرہ ہے۔

مصر آج سے پانچ ہزار سال پہلے علوم، فنون اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے مصر پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ جامعہ ازہر کی بنیاد بھی بنو امیہ کے دور میں رکھی گئی۔

سوڈان:

براعظم افریقہ کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 25 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ سوڈان کا دارالحکومت خرطوم ہے۔

سوڈان کے مشرق میں اریٹریا اور ایتھوپیا، مغرب میں چاڈ، شمال میں مصر اور شمال مغرب میں لیبیا اور یوگینڈا جنوب میں کانگو واقع ہے۔ سوڈان کے رقبے کے مقابلے میں اس ملک کی آمدنی قلیل ہے۔

نسلی اور مذہبی اعتبار سے سوڈان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ شمالی سوڈان اور جنوبی سوڈان۔ شمالی سوڈان روایتی اور تاریخی اعتبار سے مصری اور عرب ثقافت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ شمالی سوڈان میں اکثریتی آبادی مسلمان ہے۔ جنوبی سوڈان دراز قد حبشیوں کی سرزمین ہے۔

سوڈان میں چودھویں صدی عیسوی تک عربوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اسی وجہ سے یہاں اسلام کی روشنی بہت دیر سے پھیلی۔

ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کی فتوحات کا سلسلہ شمالی افریقہ (مصر، مراکش، الجزائر) تک پہنچا تو مسلمان تاجر اور سیاح سوڈان کے بڑے شہروں اور قصبوں تک آنے لگے۔ یہ عرب تاجر اور ان کے نمائندے صرف تجارتی امور سے غرض رکھتے تھے دینی تبلیغ کا فریضہ بہت کم انجام دیتے تھے۔ بہرحال مسلمانوں نے اس خطے کی طرف توجہ کی اور پھر یہ خطہ نورِ اسلام سے منور ہو۔

ایران:

دنیائے اسلام میں ایران کو قدیم ترین حیثیت حاصل ہے۔ ایران زمانۂ قدیم سے اب تک بلند پایہ تہذیب و تمدن اور مایہ ناز معاشرت کا ملک رہا ہے۔

ایران کے شمال میں ترکمانستان، آذربائیجان اور آرمینیا، مشرق میں پاکستان اور افغانستان، مغرب میں ترکی اور عراق اور جنوب میں خلیج فارس واقع ہے۔ ایران کا کل رقبہ قریباً 1.648 ملین مربع کلومیٹر ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی سے پہلے تک ایران میں موروثی شہنشاہیت موجود تھی۔ ایسے میں 1978ء میں دنیا نے دیکھا کہ شہنشاہ ایران عوامی طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور یہ بادشاہت اسلامی جمہوریہ ایران میں تبدیل ہوگئی۔ ایرانی عوام نے استصواب رائے میں شہنشاہیت کے خلاف اور انقلابِ ایران کے حق میں %97 ووٹ ڈالے اور ملک کے اسلامی جمہوریہ ہونے پر مُہر تصدیق ثبت کردی۔

سعودی عرب:

سعودی عرب ایک آزاد ریاست ہے اس جزیرہ نما کے مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان، مغرب میں بحیرۂ قلزم، شمال میں عراق اور اردن کا ریگستانی علاقہ جبکہ جنوب میں بحرِ ہند واقع ہے۔

سعودی عرب کا کل رقبہ 19,60,582 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی %100 مسلمان ہے قومی زبان عربی ہے۔

سعودی عرب کا دارالحکومت ریاض ہے۔

مسلمانوں کے انتہائی مقدس مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی ملک میں واقع ہیں۔ 1932ء میں عبد العزیز ابن سعود نے المملکۃ العربیہ السعودیہ کے قیام کا فرمان جاری کیا۔ 1938ء میں تیل کی دریافت سے وسائل آمدنی میں خاطر خواہ اضافے نے ملکی تعمیر و ترقی کے نئے باب کھولے۔ البتہ سیاسی و انتظامی امور کی پختگی 1964ء میں شاہ فیصل بن عبد العزیز کے دور میں آئی۔

پاکستان:

پاکستان، ایٹمی طاقت کی حامل پہلی اسلامی ریاست ہے۔ یہ جنوبی ایشیا کے انتہائی اہم اور حساس حصے میں واقع ہے۔ پاکستان کے مشرق میں بھارت، مغرب میں ایران اور افغانستان، شمال میں چین اور جنوب میں بحیرۂ عرب واقع ہے۔

ملک کا دارالحکومت اسلام آباد اور کل رقبہ 7,96,096 مربع کلومیٹر ہے۔

پاکستان کی تخلیق ایک جہد مسلسل کے بعد ممکن ہوئی۔ مسلمان صدیوں سے برصغیر میں حکمرانی کرتے آرہے تھے۔ انگریز تجارت کی غرض سے آئے اور برصغیر کے مسلمانوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قابض ہو گئے۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے باوجود مسلمان غلامی کی زنجیریں نہ توڑ سکے۔ سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کی بھرپور کوشش کی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہی مسلمانوں نے اپنی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی۔ ہندو رہنما انگریزوں کو برصغیر سے نکال کر خود حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے قائدِ اعظم جیسے بے لوث اور بے مثل رہنما کی قیادت میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن "پاکستان" حاصل کیا۔ اگرچہ اس منزل تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں نے بھرپور جدوجہد کی اور بے شمار قربانیاں دیں مگر آخر کار وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو گئے۔

عالم اسلام کے مسائل:

اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو بے پناہ قدرتی وسائل سے نوازا ہے مگر اتنے زیادہ وسائل ہونے کے باوجود عالم اسلام مسائل کی دلدل میں گھرا ہوا ہے اس حقیقت کو جاننے کے لیے ہم عالمِ اسلام کے مسائل اور ان کی وجوہات جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ا۔ مقبوضہ علاقے:

دنیا کے مختلف خطوں میں مسلم ریاستیں استعماری طاقتوں کے جبری تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، قبرص، عراق، افغانستان، چیچنیا، کوسوو وغیرہ ان سب خطوں میں شورش بپا ہے اور مسلمان اپنے پیدائشی حقِ آزادی کے حصول کے لیے مصروفِ جدوجہد ہیں۔

مسئلہ کشمیر:

کشمیر، جنتِ ارضی، شمال میں مری، ایبٹ آباد اور مشرق میں سیالکوٹ اور پٹھان کوٹ کے ذریعے پاکستان سے منسلک ہے۔ صوبہ پنجاب کے تمام بڑے دریاؤں کا منبع کشمیر میں ہے۔ بھارت کے ساتھ کشمیر کی مشترکہ سرحد کی لمبائی 50 میل جبکہ پاکستان کے ساتھ اس کی سرحد 384 میل لمبی ہے۔ کشمیر کے جنوب اور مغرب میں پاکستان، شمال میں چین، مشرق میں تبت اور جنوب مشرق میں بھارت واقع ہے۔ کشمیر کا کل رقبہ 84,000 مربع میل ہے۔ 14 اگست 1947ء کو جب پاکستان کی آزاد مملکت کا قیام عمل میں آیا تو قانونی آزادی (Independence Act) کی رو سے تمام ہندوستانی

CAMPUS

ریاستوں پر تاج برطانیہ کا راج ختم ہو گیا اور ہر ریاست کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق پاکستان یا بھارت سے الحاق کرے تاہم گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریاستوں کے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ وہ الحاق کرتے وقت آبادی کے فرقہ ورانہ تناسب، عوام کی خواہشات اور ریاست کے جغرافیائی محل وقوع کا خیال رکھیں۔ تین روز بعد ریاست جوناگڑھ، حیدرآباد اور ریاست کشمیر کے الحاق کے متعلق دونوں ممالک میں جھگڑا ہو گیا۔ ریاست جوناگڑھ میں اکثریت آبادی ہندو تھی مگر وہاں کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔ بھارت نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ برطانوی تسلط کے خاتمے پر ہندوستانی ریاستوں میں اقتدارِ اعلیٰ وہاں کے عوام کو حاصل ہو گیا ہے اور حکمران محض اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اور اسی دعویٰ کے تحت بھارت نے جوناگڑھ میں اپنی فوج بھیج کر زبردستی قبضہ کر لیا۔ نظام حیدرآباد اپنی ریاست میں رائے شماری کرنے کے لیے تیار تھا مگر بھارت نے ستمبر 1948 میں اپنی فوج کے ذریعے وہاں بھی قبضہ کر لیا۔

ریاست کشمیر کی تقریباً 80 فیصد آبادی مسلمان جبکہ حکمران ہندو تھا۔ اصولاً تو اس ریاست کو پاکستان سے ملحق ہو جانا چاہیے تھا مگر مہاراجہ کشمیر نے حکومتِ پاکستان سے "معاہدہ جاریہ" (Stand Still Agreement) کر لیا جس کے مطابق حکومتِ پاکستان نے ریاست جموں و کشمیر کے متعلق وہ تمام فرائض سنبھال لیے جو آزادی سے قبل حکومتِ ہند کے ذمہ تھے لیکن یہ محض مہاراجہ کی چال تھی اور اس کا اصل مقصد بھارت سے الحاق تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے تمام بھارتی رہنما درپردہ اُس کی مدد کر رہے تھے۔ کشمیری عوام کو جب اس منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے آزادی کی تحریک شروع کر دی۔ ڈوگرہ فوج نے اس تحریک کو دبانے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا۔ عوام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر مہاراجہ کی افواج کو شکست دے کر منتشر کر دیا اور آزاد کردہ علاقے کا نظم و نسق 24 اکتوبر 1947 کو سنبھال لیا اور نئی حکومت کا نام آزاد کشمیر رکھا۔ 26 اکتوبر 1947 کو مہاراجہ وادیٔ کشمیر سے بھاگ کر جموں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

جموں سے مہاراجہ نے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا اور بھارتی فوج کی مدد طلب کی اور لکھا کہ چونکہ آئینی طور پر بھارت اس وقت تک کشمیر میں اپنی فوجیں داخل نہیں کر سکتا جب تک کشمیر باقاعدہ طور پر بھارت کے ساتھ ملحق نہ ہو۔ لہٰذا وہ بھارت کے ساتھ الحاق کی پیشکش کرتا ہے اور پھر 27 اکتوبر 1947 کو بھارت نے اپنی افواج مقبوضہ کشمیر میں داخل کر کے اس کے 3/4 حصے پر قبضہ کر لیا۔

یکم جنوری 1948ء کو بھارت یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں لے گیا۔ 16 جنوری 1948ء کو پاکستان نے بھی رجوع کر لیا۔ سلامتی کونسل کے فیصلے کے مطابق ریاست کے الحاق کا فیصلہ استصواب رائے کے ذریعے ہو گا مگر بھارت تو پہلے ہی بڑے علاقے پر قابض ہو چکا تھا مجبوراً پاکستان کو بھی اپنی افواج مئی 1948 میں کشمیر بھیجنا پڑیں۔

یکم جنوری 1949ء کو ریاست میں جنگ بندی ہوگئی۔

16 جنوری 1957ء سے 21 فروری 1957 تک یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں زیرِ بحث رہا اور اس ضمن میں دو قراردادیں بھی منظور کی گئیں جن میں رائے شماری کا ذکر کیا گیا تھا۔ مگر روس نے اس قرارداد کو فروری 1957ء میں ویٹو کر دیا۔ ستمبر 1949ء میں یہ مسئلہ پھر اقوام متحدہ میں زیرِ بحث آیا۔ پاکستان نے سلامتی کونسل کی تجاویز پر عمل درآمد کے لیے آمادگی ظاہر کی مگر بھارت نے انکار کر دیا۔ جنوری 1962ء کو صدر ایوب خان نے سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔ یکم فروری 1962ء کو یہ اجلاس منعقد ہوا لیکن جو قرارداد پیش ہوئی روس نے اسے ویٹو کر دیا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد روس کی دعوت پر 4 جنوری 1966ء میں تاشقند میں پاک بھارت سربراہ اجلاس ہوا۔ اس چھ روزہ اجلاس کے نتیجے میں معاہدہ تاشقند 10 جنوری 1966ء کو طے پایا۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف جاری پیش قدمی پھر رک گئی۔ تاہم 1972ء میں ''معاہدہ شملہ'' میں طے پایا کہ جموں کشمیر تنازعے کے دائمی حل کے لیے دونوں فریقین بات چیت کے ذریعے کسی تصفیے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

6 جون 1998ء کو اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے کشمیر کو ایک متنازعہ مسئلہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے حل پر زور دیا۔

مذاکرات کے بے شمار ادوار اور کئی قراردادوں کے باوجود آج تک بھارت کشمیر پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھے ہوئے ہے۔

فلسطین:

فلسطین جزیرہ نما عرب کا حصہ ہے۔ یہ تین مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے لیے مقدس سرزمین کا درجہ رکھتا ہے۔ تاریخ کے مطابق 1897ء میں تھیوڈر ہرزل کی تحریک پر سب سے پہلے فلسطین کو یہودیوں کی ریاست بنانے کی مہم کا آغاز ہوا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانوی حکومت نے عرب ممالک کی امداد اور حمایت حاصل کرنے کی غرض سے شریف مکہ سے گفت و شنید کی۔ شریفِ مکہ نے دوسرے عرب حکمرانوں اور سرداروں سے مشورے کے بعد برطانوی حکومت کو مطلع کیا کہ عرب ممالک برطانوی حکومت کو صرف اس شکل میں امداد مہیا کر سکتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان کی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کرنے کا وعدہ کیا جائے۔ برطانوی حکومت نے یہ شرط مان لی اور کچھ عرصہ بعد عرب ممالک کی سرحدوں کا تعین بھی کر دیا لیکن فلسطین کو ان علاقوں میں شامل نہ کیا گیا۔

CAMPUS

پہلی جنگ عظیم کے بعد فلسطین میں جب باقاعدہ یہودیوں کی آمد شروع ہوئی تو عربوں اور یہودیوں کے مابین اختلافات کی خلیج حائل ہو گئی۔ اپریل 1947ء میں یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا۔ نومبر 1949ء، 1956ء، 1967ء، اور 1973ء میں عرب اسرائیل جنگیں ہوئیں۔ جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے عربوں پر فتح حاصل کی اور صحرائے سینا، شرم الشیخ کی بندرگاہ (مصر)، غزہ کی پٹی، یروشلم، بیت اللحم، جبرون اور قنطرہ (اردن) کے شہروں پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ فلسطین کی تنظیم آزادی کا قیام 1964ء میں عمل میں آیا۔

18 مئی 1978ء کو کیمپ ڈیوڈ میں مصر اور امریکہ کے مابین طے پانے والے معاہدے میں یہ کہا گیا تھا کہ پانچ سالہ مدت کے دوران اردن کے مغربی کنارے کے علاقے اور غزہ کے علاقے کے باشندوں کو موجودہ اسرائیلی فوجی حکومت کی بجائے مکمل خودمختاری اور خود اختیاری کے حقوق حاصل ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسرائیل نے جارحانہ کاروائیاں جاری رکھیں اور 31 جولائی 1980ء کو یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا۔ نومبر 1988ء میں PLO کے سربراہ یاسر عرفات نے الجزائر میں فلسطینی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق فلسطین کو آزادی دی جائے۔ 10 نومبر 1988ء کو کانفرنس میں ایک جلاوطن فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا جسے پاکستان سمیت 50 سے زائد ممالک نے تسلیم کر لیا۔

جولائی 1995 میں اوسلو معاہدے کے تحت اسرائیل اور فلسطین کے مابین رسمی تعلقات قائم ہو گئے۔ ستمبر 1995ء کے معاہدے کے تحت 1995ء کے اواخر اور 1996 کے اوائل میں اسرائیل نے الخلیل کے سوا تمام علاقوں سے اپنی فوجیں واپس بلالیں 20 جنوری 1996 کو مغربی کنارے، رملہ، الخلیل اور غزہ میں فلسطینی قانون ساز کونسل اور صدارت کے لیے انتخابات ہوئے۔ 12 فروری 1996ء کو یاسر عرفات نے فلسطینی اتھارٹی کے پہلے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔

1997 میں رملہ اور الخلیل میں طرفین کے مابین جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی گئی مگر کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ 25 اپریل 1997ء کو یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ قرارداد کے حق میں 34 ووٹ جبکہ تین ووٹ مخالفت میں آئے 11 ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔ یکم جون 1998ء کو عرب لیگ نے یروشلم میں توسیع کی اسرائیلی سازش کے خلاف سلامتی کونسل کے اجلاس میں بحث کے لیے کہا تو امریکہ نے قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ 8 اکتوبر 2000ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اسرائیل کی جارحیت کی قرارداد منظور کی۔ تاحال فلسطین قیام امن کے لیے اقوام عالم کی امداد اور حمایت کا منتظر ہے مگر اسرائیلی جارحیت اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی کی طرف رواں دواں ہے۔

ترک جمہوریہ شمالی قبرص:

ترک جمہوریہ شمالی قبرص، قبرص کا حصہ تھا لیکن 15 نومبر 1983 کے اعلان کے تحت اس کے باشندوں نے یکطرفہ طور پر آزادی کا اعلان کر دیا۔ یہ ترکی کے جنوبی ساحل پر یورپ میں واقع ہے اور قبرص کا شمالی حصہ ہے۔ ترکی کے سوا کسی دوسرے ملک نے اسے تسلیم نہیں کیا۔

1960ء میں قبرص کی آزادی کے بعد ملک کے آئین کے مطابق ترک نژاد قبرصی باشندوں کے جائز سیاسی حقوق اور اہم سیاسی امور میں ویٹو کا حق بھی دیا گیا۔ اس کے علاوہ مملکت کا سربراہ یونانی قبرص اور نائب صدر ترک قبرصی ہوگا۔ مگر قبرصی رہنما آرچ بشپ میکریوس نے ترک اقلیت سے متعلق آئین کی دفعات میں اقلیت کی مراعات کم کرنے کے لیے تبدیلیاں کرنا چاہیں اس پر فوری ردِعمل ہوا اور دسمبر 1963ء میں ملک بھر میں ہنگامے شروع ہوگئے۔ یونانیوں نے ترک قبرصیوں پر حملے شروع کر دیے۔ ہزاروں ترکوں کو جزیرے کے شمالی حصے میں پناہ لینی پڑی۔ مجبوراً ترکی نے دخل اندازی کی۔ 27 دسمبر 1963 کو یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں زیرِ بحث آیا۔ 18 فروری 1964 کو دوبارہ سلامتی کونسل میں اس مسئلے پر بحث ہوئی اور ترکی اور قبرص جنگ بندی پر آمادہ ہوگئے۔

یونانی قبرص اکثریت کی جانب سے ترک قبرصیوں کی نسل کشی کے سبب 20 جولائی 1974ء کو دو حملوں کے ساتھ ترکی کی فوج نے قبرص کے 40 فیصد رقبے پر قبضہ کر لیا۔ 2 لاکھ قبرصی بے گھر ہوگئے۔ اقوام متحدہ نے قرارداد منظور کی کہ تمام غیر ملکی افواج قبرص سے نکل جائیں مگر اس قرارداد پر عمل نہ ہوسکا۔

ترک قبرصیوں نے یونانی قبرصیوں کے رویے سے تنگ آ کر 13 فروری 1975ء کو ایک خود مختار قبرصی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔

19 نومبر 1983ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کہا کہ کسی قبرصی حکومت کو تسلیم نہ کیا جائے۔

قبرص کا مسئلہ اقوام متحدہ کی مداخلت کے باوجود حل نہ ہوسکا اور ترک قبرصی ظلم وستم کے شکنجے میں پستے چلے جا رہے ہیں۔

چیچنیا:

چیچنیا میں 16ویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد ہوئی۔ 1850ء کی دہائی میں اسے روس نے فتح کر لیا

1922ء میں اسے داخلی خودمختاری ملی جبکہ 1936ء میں یہ خودمختار جمہوریہ قرار پایا۔ چیچنیا کے مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی روس کے تسلط کو تسلیم نہیں کیا۔

جب روس کی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو بہت سی اقوام نے اس سے آزادی حاصل کی جن میں وسط ایشیائی مسلمان ریاستیں بھی تھیں لیکن چیچن وہ بدقسمت قوم تھی جنہیں بے پناہ قربانیوں، جدوجہد اور تکالیف اٹھانے کے بعد بھی آزادی نصیب نہ ہوئی۔

27 مئی 1996ء کو روسی اور چیچن صدر کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا مگر یہ سارے معاہدے صدر یلسن کے دوبارہ صدر منتخب ہوتے ہی منسوخ ہو گئے۔ چیچن جانباز روس کے خلاف مسلسل گوریلا جنگ میں مصروف ہیں مگر چیچنیا کی کلی آزادی کا مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے۔

۲۔ پرخلوص قیادت کا نہ ہونا:

اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ پرخلوص قیادت کا نہ ہونا ہے۔ کہیں خود غرض بادشاہت اور آمریت کا نظام ہے جس نے اپنے عوام کو فائدہ دینے کے بجائے اغیار کو خوش کیا اور اپنی ذات کے لیے فوائد حاصل کیے اور کہیں کہنے کو تو جمہوری نظام ہے لیکن یہ جمہور کے کسی فائدے کا نہیں کیونکہ ان حکمرانوں کا قبلہ و کعبہ بھی صرف انہی کا مفاد ہے۔ جس کے لیے وہ ملک و ملت تک کا سودا کرنے سے باز نہیں آتے۔ آج بالخصوص لیبیا، تیونس، مصر، عرب ممالک اور پاکستان کے حکمرانوں کو دیکھ لیجیے تو سب صورتحال واضح ہو جائے گی۔

۳۔ اتحاد کا فقدان:

آج بھی اسلامی دنیا متحد نہیں۔ ہر ایک ملک نے اپنے مفاد کے لیے الگ پالیسی بنا رکھی ہے۔ یہ صورتحال غیر اقوام کے لیے فائدہ مند ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ جب چاہے NATO کی مدد سے کسی بھی ملک کو مجرم کہہ کر حملہ کر دیتا ہے اور باقی مسلم ممالک تماشہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلم ممالک کے پاس اپنے حقوق کی خاطر آواز اٹھانے کے لیے پلیٹ فارم موجود ہیں جیسا کہ اسلامی سربراہی کانفرنس، عرب لیگ اور کسی حد تک اقوامِ متحدہ بھی۔ ان Forums پر وہ مل کر پوری طاقت سے آواز اٹھا سکتے ہیں اور دنیا کے سامنے اپنا نقطۂ نظر بیان کر سکتے ہیں لیکن اسرائیل کی توسیع پسندی، افغانستان، عراق، لیبیا پر حملوں کے باوجود اسلامی دنیا خاموش ہے۔ جبکہ صیہونی طاقتیں مل کر اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔

۴۔ سائنس و ٹیکنالوجی میں پسماندگی:

طرفہ تماشہ یہ کہ اسلامی دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف وہ توجہ نہیں دے رہی جو اسے دینی چاہیے۔ نتیجہ یہ کہ جدید دنیا سے کئی سال پیچھے ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ چھوٹی سی مشین کے لیے بھی مغرب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ اپنے قدرتی وسائل سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے بھی دوسری اقوام کی طرف کاسۂ گدائی پھیلانا پڑتا ہے۔ یوں جب وسائل سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تو اقتصادی حالات کمزور رہتے ہیں اور ہر جگہ استحصال ہوتا رہتا ہے۔ تجارت، دفاع، زراعت صنعت غرض یہ کہ ہر شعبے میں ترقی کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ بیرونی قرضے:

اسلامی ممالک کے مسائل کی ایک اہم وجہ بیرونی قرضے اور امداد بھی ہے۔ یہ قرضے ملک کو ایسی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں کہ اس سودی کاروبار کے گڑھے سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قرض دینے والے اداروں اور ممالک کی ہر طرح کی شرائط ماننا پڑتی ہیں چاہے یہ شرائط ملکی مفادات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ہمارے حکمران امریکہ اور مغربی ممالک سے ہی امیدیں باندھ کے بیٹھے ہیں کیونکہ امریکہ تو سپر پاور ہے، بادشاہ گر ہے اور اس کے بدلے قومی غیرت وحمیت کا سودا تک کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے حکمران اس بات سے بے خبر ہیں کہ

خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

۶۔ اسلام سے دوری:

اسلامی تعلیمات سے دوری اسلامی ممالک کے زوال کا اہم سبب ہے۔ مسلمان ممالک کے بیشتر مسائل کا حل قرآن وسنت میں ہی پوشیدہ ہے۔

اسلامی تعلیمات:

اگر مسلمان حقیقتاً اپنے مسائل کا ادراک کرتے ہوئے خلوصِ نیت کے ساتھ ان مسائل کا خاتمہ چاہتے ہیں تو اس کے لیے انہیں اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرنا ہوگا جو ایک طرف تو مطلق العنان اور خودغرض قیادت کے بجائے یہ تصور دیتی ہیں کہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حکومت، بادشاہت اسی کے لیے ہے۔ انسان، ربِ کائنات کا نائب ہے

ں لیے وہ اقتدار کو امانت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین کے دائرے میں رہ کر ان اختیارات کو استعمال کرے۔ سلامی تعلیمات کی رو سے حکمرانوں کے لیے اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کا مالک ہونا ضروری ہے۔

CAMPUS

ب۔ مسلمان امت کا سیاسی زوال، اسباب اور مستقبل کی صورت گری

امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی عجیب داستان ہے وہ قوم جو دنیا کی پسماندہ ترین قوم سمجھی جاتی تھی جو چند بکھرے ہوئے قبائل کا ہجوم تھا اور جسے دوسری اقوام حقارت کی نظر ڈالنے کے علاوہ کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہ تھیں وہ اسلام کے پرچم تلے طوفان اور بگولے کی طرح اٹھی اور تمام دنیا پر اس طرح چھا گئی کہ پھر اس کے سامنے دنیا کی عظیم سلطنتیں ریت کی دیوار ثابت ہوئیں۔ امتِ مسلمہ کے سیاسی زوال اور اس کے اسباب کا جائزہ لینے سے پہلے ہمیں مختصراً دیکھنا ہوگا کہ سلامی حکومتیں کب اور کہاں قائم ہوئیں۔ ان کے حالات میں کیا نشیب و فراز آئے اور تاریخ کے سینے پر انہوں نے کیا کیا ن ثبت کیے۔

CAMPUS

سلامی حکومتیں (تعارف)

اسلامی حکومت کا آغاز مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست سے ہوتا ہے جس کی بنیاد خود سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رکھی۔ پھر خلفائے راشدین کا دور جو اسلامی حکومت کا سنہرا ترین دور ہے یہ دور 632ء سے 661ء تک ہے۔ اس دور میں ہی اسلامی سلطنت کی سرحدیں شام، مصر، عراق، فلسطین اور ہندوستان تک جا پہنچیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکمران بننے سے خاندانِ بنو امیہ اقتدار میں آ گیا لیکن باقاعدہ آغاز مروان بن حکم سے ہوا۔ اس دور میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور اسلامی سلطنت سپین، وسط ایشیا اور شمالی افریقہ تک وسیع ہو گئی۔ لیکن ولید بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے بعد زوال شروع ہوا اور بنو عباس اقتدار میں آئے۔ اس دور میں بھی فتوحات ہوئیں خاص طور پر قسطنطنیہ، موجودہ ترکی کے کچھ علاقے اور مزید کچھ رقبہ فتح ہوا لیکن اس دور میں فتوحات سے زیادہ علم و ادب اور فنون و سائنس میں مسلمان اس کمال کو پہنچے کہ موجودہ سائنسی علوم و فنون کی بنیاد ثابت ہوئے۔ لیکن معتصم کے بعد یہ خاندان بھی زوال کا شکار ہونے لگا اور بعد میں کمزور عباسی حکومت کے نام سے بہت سی الگ خلافتیں قائم ہو گئیں جیسے فاطمی خاندان، سلجوق خاندان وغیرہ۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں تو تفرقات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ بہت سی خودمختار حکومتیں بن

CAMPUS

گئیں یعنی چھوٹے چھوٹے علاقوں کے گورنروں ، حکمرانوں نے الگ الگ حکومتیں بنالیں۔ شمالی افریقہ میں یوسف تاشفین کی الگ حکومت قائم ہوئی۔ وسط ایشیا میں تیمور لنگ کی حکومت بنی اور ترکی میں عثمانی خلافت قریباً چھ سو سال رہی۔ ہندوستان کے حکمران خاندانوں میں قابلِ ذکر خاندانِ غلاماں، تغلق، مغل، سوری اور لودھی خاندان ہیں۔ یہ دور تھا جب ہندوستان میں مغلوں کی حکومت اور ترکی کی عثمانی خلافت آہستہ آہستہ زوال کی طرف سفر کرنے لگی۔

زوال:

فرد اپنی انفرادی اور قومیں اجتماعی غلطیوں کی بنا پر زوال کا شکار ہوتی ہیں۔ اسلامی ریاست کے قیام سے اٹھارویں صدی عیسوی تک تو اسلامی سلطنت زوال کے بعد پھر سنبھلتی رہی لیکن اس کے بعد اب تک سنبھلنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ مسلمان قوم میں کئی عظیم سلطنتیں اور حکومتیں جن کے نام سے دنیا کانپتی تھی اور ان کے عروج اور عظمت کے آگے سر جھکاتی تھی لیکن اب خود وہی امت پستی کے ایسے زندان میں پھنس گئی ہے کہ باہر نکلنا مشکل محسوس ہو رہا ہے۔ امت کے عروج و زوال کی اس داستان میں جہاں جرأت، جذبہ ایمانی، اصول پسندی اور اسلامی حمیت کی ایسی نادر مثالیں ملتی ہیں جو حیرت سے گنگ کر دیتی ہیں۔ جہاں خلیفۂ وقت عمرؓ ننگے پاؤں اونٹ کو تھام کر چلتا ہے اور غلام اونٹ پر سوار ہوتا ہے۔ جہاں سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا لشکر دریا کی طوفانی موجوں کو خاطر میں نہیں لاتا اور مدائن تک پہنچنے کے لیے گھوڑے دریا میں ڈال دیتا ہے۔ عتبہ رضی اللہ عنہ بن نافع اللہ کی خاطر سمندروں کی پرواہ کیے بغیر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ جہاں صلاح الدین رحمتہ اللہ علیہ ایوبی تن تنہا ہی دنیائے صلیب کی یلغار کے سامنے اسلام کے نام کو بچانے کے لیے ڈٹ جاتے ہیں۔ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اپنا جسم چھلنی بنا لیتے ہیں اور ٹیپو سلطان جیسا غیرت مند، گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے، وہاں ایسے افسوس ناک واقعات بھی ہیں جو ہمارا سر شرم سے جھکا دیتے ہیں۔ یہ واقعات غداروں اور ذاتی مفاد کی خاطر بک جانے والوں کی داستانیں ہیں اور انہی داستانوں میں ہمارے سیاسی زوال کی اصل وجہ چھپی ہوئی ہے۔

زوال کے اسباب:

امت مسلمہ کے سیاسی زوال کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

i۔ اسلامی ریاست وحکومت کے اصل تصور سے انحراف:

اسلامی ریاست وحکومت کا صحیح تصور یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انسان حق

نائب ہے۔ اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ اقتدار سے نوازے اسے چاہیے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام قائم کرے اور وہ خود بھی تقویٰ کے اسلامی معیار پر پورا اترتا ہو۔ مگر خلفائے راشدین کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں اور خاندانوں میں خال خال ہی ایسی شخصیات نظر آتی ہیں جو اس تصور پر پورا اتریں۔ یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ وہ قومیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں جو قدرت کے اصولوں سے انحراف کریں۔ بیشتر مسلمان حکمرانوں نے مسندِ اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد اس بات کو پسِ پشت ڈال دیا کہ وہ اللہ کے نائب ہیں اور اس کے احکامات نافذ کرنے آئے ہیں۔ شخصی حکومت کے اسی کردار نے اسلامی سلطنتوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے زوال کی رفتار کو تیز تر کر دیا۔ اس کی تباہیاں ہم سلیمان بن عبد الملک کے دور میں دیکھتے ہیں۔ جب اہم ترین محاذوں پر موجود تین بڑے سپہ سالاروں کے ساتھ بدترین سلوک کرتے ہوئے برے انجام سے دوچار کیا گیا۔ اسی طرح عباسی خلفاء نے باطل عقائد کی سرپرستی کرتے ہوئے فرقہ واریت کو ہوا دی۔ اکبر اعظم کے دین الٰہی کی ایجاد نے ہندوستان میں بے پناہ خرابیوں کو جنم دیا اور اسلام کو شدید نقصان پہنچایا۔

شخصی حکومت:

اگر عظیم اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر فردِ واحد کو تمام اختیارات اور حکومت کا منبع تصور کیا گیا۔ فردِ واحد کی حکومت نے کہیں تو نمرود اور فرعون کی بادشاہتوں کو جنم دیا اور کہیں کھوپڑیوں کے مینار بنے۔ امتِ مسلمہ کی بھی یہ بدقسمتی رہی کہ خلفائے راشدین کے بعد فردِ واحد یا شخصی حکومتیں رہیں جبکہ شوریٰ کی اہمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنھم سے مشورہ کر لیا کریں (وشاورھم فی الامر) اور خلفائے راشدین کا بھی یہی طریق رہا کہ اصحاب الرائے سے مشورہ ضرور لیا جاتا تھا۔ مگر بعد کے دور میں یہ نظام ختم ہوتا گیا۔ کوئی بھی فرد عقل و دانش کے لحاظ سے اتنا مکمل نہیں ہوتا کہ اسے کسی کی رائے کی ضرورت نہ ہو۔ اچھا فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کام کے ہر پہلو کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جائیں اور مشاورت اس کا بہترین طریقہ ہے۔

عیش پرستی:

کسی قوم کی بقا اور ترقی ہمیشہ سخت کوشی کا نتیجہ رہی ہے۔ آج چین اور جاپان اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ سخت کوش، محنتی اور انتھک قومیں ہر طوفان میں سرخرو ہو کر نکلتی ہیں۔ اسلامی سلطنت کے سیاسی زوال کا ایک سبب مسلمان حکمرانوں کی

عیش پرستی اور تن آسانی بھی تھی۔ بنو امیہ ہوں، بنو عباس ہوں، عثمانی ہوں یا مغل یا سپین میں اسلامی حکومتیں بنظر غائر دیکھ لیں تو یہی بات کھلتی ہے کہ ان کے عروج کا سبب ان کی سخت کوشی ہی تھا اور بعد میں حکمرانوں کی عیش پرستی، لہو ولعب، راگ رنگ نے اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو ایسا کھوکھلا کر دیا جیسے دیمک لکڑی کو کھوکھلا کرتی ہے۔ اسی عیش پرستی نے ہندوستان میں محمد شاہ رنگیلا جیسے کرداروں کو جنم دیا۔

iv۔ خود مختار ریاستیں/کمزور مرکزی حکومت:

بدقسمتی سے کوئی بھی بڑی اسلامی سلطنت اپنے قیام کے بعد زیادہ عرصہ یکجا اور متحد نہ رہی۔ مقامی حکمرانوں /گورنروں نے مرکز سے کسی حد تک علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ طاقت ہمیشہ اتحاد میں ہے اور انتشار تو قوت بکھیرنے کا باعث ہے۔ عباسی دور میں خود مختار حکومتیں، عثمانی سلطنت اور مغل دور کی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں نہ صرف اسلامی حکومتوں کو کمزور کرنے کا باعث بنیں بلکہ عباسی دور میں عیسائیوں اور تاتاریوں نے اور مغل سلطنت میں انگریزوں نے اس سے بے پناہ فائدہ اٹھایا اور ان حکومتوں کو کمزور کر کے ان کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔

v۔ باہمی چپقلش:

مسلمان حکمرانوں کی باہمی چپقلش نے بھی امتِ مسلمہ کے سیاسی زوال کی راہ ہموار کی۔ عباسی دور میں ابتدائی حکمرانوں کے بعد سے ہی یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ امین و مامون دونوں بھائیوں کی باہمی چپقلش سے بے انتہا نقصان ہوا۔ بعد میں تو یہ سلسلہ چلتا رہا اور بغداد کئی مرتبہ تباہی سے دوچار ہوا۔ یہی حالات اندلس (موجودہ سپین) میں بھی رہے۔ موجودہ عیسائیوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنت کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ اگر مسلمان حکمران ہوش کے ناخن لیتے تو شاید آج قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ میں بکھری ہوئی نشانیاں ہمارے پاس ہوتیں۔ عثمانی سلطان یلدرم جسے اپنی تیز ترین پیش قدمی کے باعث "یلدرم" یعنی بجلی کا نام دیا جاتا تھا یورپ میں آگے ہی آگے بڑھتے یورپ کے حکمران اس کے نام سے کانپتے تھے۔ وسط ایشیا کی عظیم سلطنت کے حکمران تیمور لنگ کے بایزید یلدرم سے نے تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا اور تیمور نے بایزید کو برے انجام سے دوچار کرتے ہوئے مزید فتوحات کا راستہ روک دیا۔ دوسری طرف روس کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے مقامی جاگیردار کو اپنا اثر و رسوخ اتنا بڑھانے دیا کہ آہستہ آہستہ

بڑی طاقت بن گیا۔ ہندوستان میں بھی حکمرانوں کے آپس کے جھگڑوں نے انگریزوں کو راہ دکھائی اور انگریز تاجر یہاں کے حکمران بن بیٹھے۔ صلیبی جنگوں کے دوران جب نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف تمام عیسائی دنیا جرمنی، فرانس، برطانیہ، اٹلی، یروشلم، آسٹریا غرض یہ کہ تمام دنیا اسلام کے خلاف متحد ہوگئی مگر مسلمان حکمران ایسے حالات میں بھی عیسائیوں کو ہی اپنا خیر خواہ سمجھ رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور جذبہ ایمانی سے سرشار عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسے شیر دل حکمران نہ ہوتے تو نجانے مسلمانوں کی آپس کی چپقلش مزید کیا تباہیاں برپا کرتیں۔

vi۔ جانشینی کا غیر شرعی نظام:

ماضی کی عظیم اسلامی سلطنتوں میں بادشاہت کا موروثی نظام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد سے شروع ہوا۔ اس میں باپ کے بعد بیٹا اور پھر اس کا بیٹا یا بھائی وراثت میں حکمران بننے کا اہل قرار پاتا۔ کبھی تو یہ نظام کسی رکاوٹ کے بغیر چلتا رہا اور کبھی اقتدار کی ہوس میں بھائی نے بھائیوں کو، باپ نے بیٹوں کو یا بیٹے نے باپ کو قتل کرا دیا۔ یوں بھی ہوا کہ اقتدار کی بنیاد ہی لاشوں پر، قتل و غارت اور خونریزی پر رکھی گئی۔ اس کی سب سے بڑی مثال تو واقعہ کربلا ہے۔ حجاج بن یوسف نے بہت سی عظیم ہستیوں کو شہید کرادیا۔ عباسیوں نے تو اپنے اقتدار کی بنیاد ہی بنوامیہ کے قتل پر رکھی۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ بنوعباس کے پہلے خلیفہ، عبداللہ بن سفاح نے بنوامیہ کے افراد کی نیم بسمل لاشوں پر دسترخوان رکھ کر کھانا کھاتے ہوئے سفاکی کی انتہا کردی۔ اسی طرح عباسی خلیفہ منصور نے اپنے محسنوں کو بھی اس ڈر سے نہ بخشا کہ کہیں اقتدار میں رکاوٹ نہ کھڑی کریں۔ ہارون الرشید عباسی خلفاء میں اچھی ساکھ رکھتا تھا مگر اپنے دودھ شریک بھائیوں، اپنے استاد کے بیٹوں اور اپنے منہ بولے چاروں بھائیوں کو قتل کرا کے اس نے اپنے دور کو داغ دار کر دیا۔ پھر عثمانیوں میں تو ایک طرح سے رواج تھا کہ جو بھی اقتدار میں آتا اپنے باقی تمام بھائیوں کو قتل کرا دیتا تھا تاکہ بعد میں جانشینی کا جھگڑا نہ ہو۔ سلمان اعظم جیسے عظیم سلطان نے اپنے (100) بھائیوں کو قتل کرادیا۔ مغل بادشاہ اورنگزیب نے اپنے باپ کو اندھا کر دیا۔ اس ہوس اقتدار نے بھی اسلامی سلطنت کی تباہی اور سیاسی زوال میں اہم کردار ادا کیا کیونکہ اس سے دشمنی اور انتقام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا۔

vii۔ جاسوسی کا نظام اور انتظامی مسائل:

سلطنت میں جاسوسی کا منظم، مربوط اور مضبوط نظام نہ صرف دشمن کی سرگرمیوں سے باخبر رکھتا ہے بلکہ انتظامی امور

میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ حکمران عوام کے حالات سے آگاہ رہتے ہیں اور اگر کہیں بے چینی، بغاوت یا حکمرانوں سے شکایت کے مسائل ہوں تو ان کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے خلفائے راشدین کے علاوہ مروان بن عبدالملک عمر بن عبدالعزیز، ہارون الرشید، صلاح الدین ایوبی اور شیر شاہ سوری کے علاوہ چند ہی حکمران ایسے تھے جنہوں نے اس پہلو پر توجہ دی ہو۔ نتیجتاً حکمران عوام کے حالات سے بے خبر رہے۔ اگر جاسوسی کا انتظام مؤثر ہوتا تو حسن بن صباح جیسے فتنے کا تدارک ابتداء میں ہی ہو جاتا جس نے اسلامی سلطنت اور اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور مزید فرقہ بندیوں کی راہ ہموار کی۔ اسی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری اقوام نے اسلام کو کمزور کرنے کے لیے گمراہ کن عقائد پھیلائے۔

viii۔ شورشیں اور بغاوتیں:

جہاں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اور بہت سے اسباب ہیں وہاں مختلف ادوار میں پوری طاقت سے جنم لینے والی شورشیں اور بغاوتیں بھی ہیں جن کے درپردہ عموماً مختلف بیرونی اقوام کا ہاتھ رہا مثلاً خوارج جیسے انتہا پسندانہ نظریات رکھنے والے لوگوں نے شروع سے ہی مسلمان حکمرانوں کو تنگ کیے رکھا لیکن اس کو ہوا یہود نے دی جو اسلامی ریاست کو ابتداء سے ہی اسے ختم کرنے پر تُل گئے تھے یہ صورتحال اب تک جاری ہے۔

ix۔ جدید علوم کی طرف عدم توجہی:

مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت چھن جانے اور ان کے سیاسی طور پر زوال پذیر ہونے کی ایک وجہ جدید علوم و فنون کی طرف توجہ نہ دینا بھی تھا۔ عباسی دور کی ابتداء میں تو سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کو بہت ترقی حاصل ہوئی مگر بعد کے حکمرانوں کی دلچسپی محض ذاتی عیش تک محدود ہوگئی جس کی وجہ سے ترقی کا عمل رک گیا جبکہ مغربی اقوام نے مسلمانوں کے علم کو بنیاد بناتے ہوئے اس کی ترقی کے لیے بہت کام کیا اور نہ صرف علم بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے نہ صرف زندگی میں مقصدیت کو کھو دیا بلکہ جدید علوم وفنون سے بے بہرہ رہے وہ اپنی زندگی میں مگن رہے کی دنیا میں ہونے والی سائنسی و سیاسی تبدیلیوں سے بے خبر رہے۔ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا پہلے سے اندازہ اور نہ ہی اس کی منصوبہ بندی کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زبردست قوموں کی صف سے نکل کر زیردست قوموں میں شامل ہو گئے۔

x- اسلام کی اصل روح سے بے خبری:

اسلامی سلطنتیں اور عوام اسلام کی اصل روح بھلاتے چلے گئے۔ قرآن مجید جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے رہنمائی اور ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے محض ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ اسلام کو صرف چند رسوم تک محدود کر کے یہ سمجھ رہے ہیں کہ دنیا فتح کرلیں گے مگر یہ بھول ہے۔

xi- نااہل حکمران اور منصوبہ بندی کا فقدان:

بیشتر اسلامی سلطنتوں میں جانشینی کا واضح اصول موجود نہ تھا۔ یہ بھی ضروری نہ تھا کہ جانشین اہل حکمران ثابت ہو۔ اگر خوش قسمتی سے ایک اچھا حکمران مل جاتا تو وہ انتظامی امور پر اپنی گرفت مضبوط کرلیتا اور عوام و سلطنت کے لیے نعمت ثابت ہوتا مگر منصوبہ بندی کا فقدان ہمیشہ ہی رہا۔ اگر ایک حکمران عوام کی بہتری کے لیے کوئی منصوبہ شروع کرتا تو ضروری نہیں کہ بعد میں آنے والا حکمران بھی اسے جاری رکھے یوں ترقی معکوس کا عمل شروع ہو جاتا، سلطنت کمزور ہو جاتی اور بیرونی طاقتیں اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں جس سے مسلمانوں کی سیاسی، فوجی اور انتظامی طاقت پارہ پارہ ہوگئی۔

مستقبل کی پیش بینی:

موجودہ حالات و واقعات اور زمینی حقائق مستقبل کا اندازہ لگانے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ گرچہ ظاہری طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ امت مسلمہ زوال کی اس سطح کو پہنچ چکی ہے کہ شاید اس کے لیے دوبارہ حکومت، سیاست و قیادت کا حصول اور عروج ایک خوش کن خواب کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اگر ہم موجودہ حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیں اور دنیا کی بدلتی ہوئی سیاسی صورتحال دیکھیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلمان ممالک میں شعور و بیداری کی لہر اٹھ رہی ہے۔ وہ اپنے حقوق سے آگاہ بھی ہو رہے ہیں اور اپنے اصل دشمنوں سے باخبر بھی۔ ان کی سازشوں کو جان لینا امت مسلمہ کے لیے ایک مثبت صورتحال کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اسلامی دنیا کو قدرت نے بے پناہ وسائل سے نوازا ہے اور اگر تمام مسلمان ممالک یکجا ہو جائیں تو انہیں کسی کی محتاجی کی ضرورت نہ رہے۔ وسط ایشیاء، افغانستان، ایران، عرب ممالک اور پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے معدنیات کی بے پناہ دولت سے نوازا ہے۔ پاکستان، مصر، بنگلہ دیش اور دریائے نیل سے استفادہ کرنے والے افریقی مسلم ممالک کی زمینیں سونا اگلتی ہیں۔ ملائشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش وغیرہ جنگلات کی دولت سے مالا مال ہیں۔ بیشتر اسلامی ممالک اہم سمندری گزرگاہوں کے مالک ہیں۔ مسلمان ممالک کے پاس افرادی قوت کی بھی کمی نہیں تو ایسی صورتحال

CAMPUS

میں ایک روشن و تابناک مستقبل ہمارا مقدر ہوسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ عوام میں پیدا ہونے والی حالیہ بیداری کی لہر کو مثبت طریقے سے استعمال کرنے کے لیے پرخلوص قیادت میسر آجائے اور محض قیادت ہی نہیں آج مسلم دنیا کو اتحاد کی جس قدر ضرورت ہے وہ شاید پہلے کبھی بھی اتنی شدید نہ تھی۔ کفار مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لیے ہر ممکن کوشش میں لگے ہوئے ہیں خفیہ طور پر بھی، ظاہراً بھی۔

چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ تمام اختلافات بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مشترکہ مقصد محض رضائے الٰہی اور پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے متحد ہو جائیں اور اس علم جسے احادیث میں مومن کا گم گشتہ مال کہا گیا ہے، کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کریں اور جدید علوم میں مہارت حاصل کریں۔ اس طرح وہ غیروں کے ہاتھوں ہونے والے استحصال سے بچ جائیں گے۔ جدید دنیا میں طاقت محض علم کی بدولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چین کی مثال ہمارے سامنے ہے علم اور مسلسل محنت ہی سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر مخلص قیادت میسر ہو تو بقول اقبالؒ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

لیکن اس کے لیے امتِ مسلمہ کو عملیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے حقائق کو پیش نظر رکھ کر ٹھوس منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ اس کے لیے وقت یقیناً کم اور چیلنجز زیادہ ہیں کیونکہ باطل قوتیں خاص طور پر یلغار کر رہی ہیں اور بلند ہمتی و جہد مسلسل ہی ہمیں سرخرو کرسکتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس امید کی کرن یہ بھی ہے کہ دوسری قومیں آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیم و حکمت کے سرمائے کو تکسیر کھو چکی ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا دینی سرمایہ اور آسمانی ہدایت و حکمت کا سرچشمہ قرآن مجید محفوظ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگی جس میں پوری امت احیاء کی قوت ہے ان کے پاس موجود ہے جس سے مسلمان خصوصاً نوجوان نسل آگاہی اور ہدایت حاصل کرکے دنیا کی امامت و سیادت کو دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔

مشق

سوال1: مختصر جواب تحریر کریں۔

الف۔ مصر کا جغرافیائی محل وقوع بیان کریں۔

ب۔ جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک کے نام لکھیں۔

ج۔ مسئلہ کشمیر پہلی مرتبہ کب اقوامِ متحدہ میں پیش کیا گیا۔

د۔ افریقی مسلم ممالک کے نام لکھیں۔

سوال2: مندرجہ ذیل کے مفصل جواب تحریر کریں۔

الف۔ عالم اسلام کو موجودہ دور میں کن مسائل کا سامنا ہے؟

ب۔ امت مسلمہ کے سیاسی زوال کے اسباب پر جامع نوٹ تحریر کریں۔

ج۔ مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مفصل بیان کریں۔

د۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

i۔ ترک جمہوریہ شمالی قبرص   ii۔ جانشینی کا غیر شرعی نظام

iii۔ امتِ مسلمہ کے مستقبل کی پیش بینی

سوال3: درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ معاہدہ جاریہ کے فریقین تھے۔

(i) پاکستان، بھارت   (ii) پاکستان، مہاراجہ کشمیر

(iii) مہاراجہ کشمیر، بھارت   (iv) مہاراجہ کشمیر، کشمیری عوام

ب۔ ایران میں اسلامی انقلاب کس سن میں آیا؟

(i) 1977   (ii) 1978   (i) 1979   (iv) 1980

سوال 4: خالی جگہ پر کریں۔

الف۔ شیر کی ______ دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

ب۔ وسط ایشیاء میں ______ کی مسلم ریاست موجود ہے۔

ج۔ عبد العزیز ابن سعود نے ______ میں المملکۃ العربیہ السعودیہ کے قیام کا اعلان کیا۔

د۔ یاسر عرفات نے ______ میں فلسطینی اتھارٹی کے صدر کا حلف اٹھایا۔

ہ۔ ایران کے ______ میں خلیج فارس واقع ہے۔

و۔ یلدرم کا معنی ______ ہے۔

سرگرمی

معلم / معلمہ، طلباء / طالبات سے دنیا کے نقشے پر مسلمان ممالک کی نشاندہی کروائیں۔

CAMPUS